

”زخم سے زندگی تک“

از قلم ایمان تنویر

قسط نمبر 1

دن کا وقت تھا مگر آسمان پر ہلکی بدلیاں چھائی ہوئی تھیں۔ سورج اپنی نرم کرنیں زمین پر بکھیر رہا تھا۔ گھر کے آنگن میں سنہرے اور سفید پردے لہرا رہے تھے۔ ہر طرف پھولوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی مہمانوں کی سرگوشیوں اور بچوں کی مدھم آوازوں کے درمیان ایک سنجیدہ سی خاموشی تھی۔

ساریہ جریر ولد جریر سکندر آپ کو نائل احمد ولد احمد خان سے باعوض بیس ہزار حق مہر نکاح قبول ہے؟

قاضی صاحب نے آخری بار پوچھا۔ پل بھر کی خاموشی چھا گئی پھر اس کی بھیگی سی آواز آئی۔

"قبول ہے"

ساریہ نے کانپتے ہاتھوں اور بہتے آنسوؤں سے دستخط کیے۔

قاضی صاحب دولہے کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

کچھ ہی لمحوں میں ایجاب و قبول ہو چکا تھا۔ اب ساریہ نائل کی اور نائل ساریہ کا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ایک معتبر سا تعلق بندھ گیا تھا۔ وہ محبت، جس کے حصول کے لیے نائل نے برسوں دعائیں کی تھیں آج وہ اس کے سامنے تھی اس کی محرم بن کر۔۔۔ کیا اس سے زیادہ کوئی لمحہ حسین ہو سکتا ہے؟

اس نے ساریہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

بے شک ہر چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے لیکن اتنی خوبصورتی سے واقع ہوتی ہے اسے اس چیز کا اندازہ نہ تھا اس کا دل مسرت سے بھر گیا۔

ہر طرف مبارک دی جا رہی تھی۔

ساریہ کے والدین اسے گلے لگا رہے تھے ڈھیروں دعائیں دے رہے تھے، اچھے نصیب کی، صالح اولاد کی، روشن مستقبل کی۔

وہ سفید شرارے میں ملبوس تھی جس کی قمیض پہ سنہرے رنگ کے دھاگے کا نفیس سا کام تھا۔ سنہرے رنگ کا سادہ سا حجاب اس کے سر پہ کو باوقار بنا رہا تھا ایک طرف جھومر ٹکا ہوا تھا، پیچھے کی سمت حجاب پہ نفیس کام والا دوپٹہ بہت خوبصورتی سے سیٹ کیا گیا تھا۔ سانولی رنگت، تیکھے نقوش جو ہلکے میک اپ کے امتزاج سے مزید نکھر گئے تھے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

نائل بھی سفید کرتا شلوار اور سنہرے واسکٹ پہنے شہزادہ لگ رہا تھا۔ بھوری آنکھیں جو ہمہ وقت سنجیدہ رہتی تھیں، آج ایک خاص چمک سے جگمگا رہی تھیں۔ اسے پہلی نظر دیکھ کر مہذب اور شائستہ مرد کا گمان ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد جب دونوں کو ایک ساتھ بٹھایا گیا تو منظر مزید دلکش ہو گیا۔

نائل نے ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا

"کوئی اتنا حسین کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔"

پھر سارے کا سارا کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ اپنے مخصوص دھیمے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا

"یہ کچھ چیزیں نہیں تھیں" ساریہ نے گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ آنکھیں دکھائی وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"تمہیں میرے جذبات چیزیں لگ رہے ہیں؟"

"نکاح مبارک ساریہ"

وہ ایک بار پھر شرمائی۔۔۔ نا جانے آج اسے نائل سے اتنی شرم کیوں آ رہی تھی حالانکہ یہ وہی بچپن والا نائل تھا جس سے پانچ سال چھوٹی ہونے کے باوجود لڑتی جھگڑتی تھی۔

خوشخبری (رائٹرز متوجہ ہوں)

ہر لکھاری کا خواب ہوتا ہے کہ اس کی تحریر کتابی صورت میں بھی شائع ہو اور ان کی کتاب بک شیف کی زینت بنے۔ اگر آپ بھی ایک لکھاری ہیں اور اپنی تحریر کو کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کی تحریر کو بہت کم ٹائم اور بہت مناسب قیمت میں آپ کی خواہش کے مطابق بہت عمدہ اور معیاری کوالٹی میں کتابی صورت میں شائع کرنے میں آپ کی مدد کریں گے۔ مزید معلومات کے لئے نیچے دیئے گئے ایڈریس پر ابھی رابطہ کریں۔

Prime Urdu Novels Publications

Whatsapp : 03335586927

Email: aatish2kx@gmail.com

"آپ کو بھی نکاح مبارک" اس کا لال گلابی چہرہ دیکھ کر نائل کو اپنا دل سنبھالنا مشکل لگا۔ وہ نظریں جھکا گئی لیکن دل کا کیا کرتی جو نائل کے نام پہ نیا ساز چھیڑ رہا تھا۔ لاہور میں واقع متوسط طبقے کے اس چھوٹے سے گھر میں خوشیوں سماں تھا۔

آج جریر سکندر کی اکلوتی بیٹی کا نکاح تھا

ساریہ جریر تینیس سال کی تھی اماں سے ضد کر کے "ایل ایل بی" میں ایڈمیشن لیا تھا اب لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کر رہی تھی چوتھے سال کا آغاز ہی ہوا تھا کہ نائل کا رشتہ آگیا۔ نائل تو اس کے "ایف ایس سی" پاس کرتے ہی رشتے کی ضد کرنے لگا تھا مگر خالہ نے روکے رکھا اور اب آخر کار نائل کا انتظار ختم ہو گیا تھا۔ وہ خاصا معقول اور مہذب تھا ساریہ کو کوئی اعتراض کیونکر ہوتا، خالہ بھی بہت چاہتی تھیں اسے۔

ساریہ کے ساتھ رشتہ ہوتے ہی خالہ نے شادی کا کہہ دیا مگر ابا کا کہنا تھا شادی ساریہ کے ایل ایل بی ہونے ک بعد ہوگی۔۔۔ یہ سن کر نائل نے نکاح کی ضد باندھ دی جو اب ساریہ کے گھر میں ہی طے پایا گیا تھا۔

یہ کچھ دن بعد ایک پرسکون صبح کا منظر تھا۔ وہ فجر کے بعد اپنے کمرے میں ماما کی گود میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔ جب بابا نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر آ گئے۔ وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی۔ جریر سکندر اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئے۔

"جی بیگم میری بیٹی کو ناشتہ کروایا آپ نے یا باتوں پر ٹر خا رہی ہیں؟" جریر سکندر فرزانہ صاحبہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے

خوشخبری

اگر آپ لکھ سکتے ہیں اور اپنے اندر کے لکھاری کو باہر لانا چاہتے ہیں تو لکھاری آن لائن میگزین آپ کو اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کے لئے بہت اچھا پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ لکھاری آن لائن میگزین کا حصہ بنئے اور آج ہی اپنی تحریر (افسانہ، ناول، ناولٹ، کالم، مضامین، شاعری) اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ آپ کی کوئی بھی تحریر ضائع نہیں کی جائے گی اور ایک ہفتے کے اندر ہمارے سب ویب بلاگز (ویب سائٹس) اور سوشل میڈیا گروپس اور پیجز پر پبلش کر دی جائے گی۔ مزید تفصیلات کے لئے ابھی رابطہ کریں۔

Wats app No :- 03335586927

Email address :- aatish2kx@gmail.com

Facebook ID :- www.facebook.com/aatish2k11

Facebook Group :- FAMOUS URDU NOVELS AND DIGEST

SEARCH AND REQUEST FOR NOVELS, NOVELS DISCUSSION

وہ ہنس پڑیں

"میں نے ناشتہ کر لیا ہے بابا۔۔۔ آپکو کوئی بات کرنی ہے کیا؟"

"کیا ضروری ہے میں کسی خاص بات کے لیے ہی اپنے بیٹی کے پاس آؤں ایسے نہیں آ سکتا کیا؟" ان کے لہجے میں مصنوعی خفگی تھی۔

"آ سکتے ہیں جی! ہماری کیا مجال" ساریہ ہنستے ہوئے بولی۔

"خیر بات تو مجھے کرنی ہے تم سے مگر اس سے پہلے میری ایک بات یاد رکھنا۔" وہ رُکے پھر نرم لہجے میں گویا ہوئے۔

تم مجھے بہت پیاری ہو، میری لاڈلی بیٹی، میری آنکھوں کا نور ہو

جانتی ہو نا تم؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ جانتی تھی بابا دنیا میں سب سے زیادہ اسے چاہتے ہیں۔

"جب تم پیدا ہوئی تھیں، میں خوفزدہ ہو گیا تھا۔ یوں لگا جیسے اللہ نے اپنی خاص رحمت میرے آنگن میں بھیج دی ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں اس عظیم ذمہ داری کو نبھا سکوں گا یا نہیں۔۔۔" ان کی آواز بھگنے لگی۔

"بابا" ساریہ نے ان کے ہاتھ پر سر رکھ دیا۔

"میں نے تمہارے لیے خود کو بدلہ، باوقار بنایا، تاکہ اللہ میری بیٹی کے لیے بہترین نصیب لکھے اور مجھے یقین ہے اللہ مجھے صلہ دے گا۔"

اس کے سر پہ نرمی سے ہاتھ پھیرتے وہ کہتے چلے گئے اور فرزانہ بیگم ان دونوں کو مسکرا کر دیکھ رہی تھیں وہ دونوں ان کی کل کائنات تھے۔

"نائل ہر لحاظ سے تمہارے قابل ہے۔ اس گھر جا کر بھی اپنی عزت کو مقدم رکھنا ظلم ہرگز برداشت نہیں کرنا، یہ بات یاد رکھنا ساریہ کہ تمہارا باپ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے، تمہاری پشت پناہی کے لیے ہمیشہ کھڑا ہے، زندگی کے ہر موقع پہ بہادر رہنا اپنے لیے حق کے لیے ڈٹ جانا۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکے پھر گہری سانس لینے لے کر گویا ہوئے۔

"جہاں تک رہی بات تمہاری خالہ لوگوں کی، نائل کی، میں جانتا ہوں وہ اچھے لوگ ہیں مگر مستقبل کس نے دیکھا ہے، اس گھر میں اپنی جگہ بنانا اور میری بیٹی تو ہے ہی بہت پیاری ہر ایک کے دل میں گھر کر لیتی ہے" ساریہ کے آنسو ان کے ہاتھ پہ گرتے جا رہے تھے

"آج کالج سے تمہیں نائل پک کرے گا، اس نے مجھ سے اجازت لے لی ہے، لنچ کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ۔ ٹھیک ہے ناں میرا بیٹا؟"

اس نے سر اٹھایا اور سیدھی بیٹھ گئی۔ بابا کو مسکراتے لبوں اور بھیگی آنکھوں سے دیکھا

"جیسا آپ کہیں" جریر سکندر نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

سفینہ احمد خان کے گھر ناشتے کی میز پر حسبِ معمول گہما گہمی کا عالم تھا۔

احمد خان کی وفات نائل کی یونیورسٹی مکمل ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد ہو گئی تھی، اور تب سے گھر کی تمام تر ذمہ داریاں نائل کے کاندھوں پر آ گئیں۔ احمد خان کی مارکیٹ میں تین دکانیں تھیں جنہیں اب نائل سنبھالتا تھا۔ سفینہ بیگم کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا نائل، جس نے ایم بی اے کیا تھا اور عمر ستائیس برس تھی۔ اُس کے بعد ریان، جو نائل سے دو سال چھوٹا تھا، یونیورسٹی کے بعد دکانوں کے بجائے ایک فرم میں جاب کرنے کو ترجیح دی۔ سب سے چھوٹی امل تھی، جو ریان سے پانچ اور نائل سے سات سال چھوٹی تھی، اور یونیورسٹی کے دوسرے سال میں تھی۔

سربراہی کرسی پہ سفینہ کے دائیں، طرف امل اور اس کے ساتھ ریان بیٹھا تھا، جبکہ بائیں طرف نائل بیٹھا ہوا تھا۔ نفاست سے نوالہ توڑ کر منہ میں ڈالتے امل اور ریان کی روز کی چک چک سن رہا تھا۔

"امی ریان بھائی کو کہیں ناں چھوڑ آئیں مریم گھر، کیا ہو جائے گا، اکلوتی بہن کے لیے اتنا نہیں کر سکتے" امل نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"چھپکلی! میں نہیں جاؤں گا تمہاری سہیلی گھر، امی آپ کو پتا ہے اس کی سہیلی کے لڑکے دوست ہیں، دوستی ختم کروائیں اسکی۔"

"مجھے چھپکلی مت کہا کریں بھائی اور وہ پہلے کی بات تھی کتنی بار بتایا ہے اچو بدل گئی ہے وہ" اس نے چیخ کر کہا۔ ان تینوں نے بیک وقت کانوں پہ ہاتھ رکھے۔

"آہستہ نہیں بول سکتی تم پاگل لڑکی" ریان نے چڑ کر کہا

"پاگل ہوں گے آپ، آپ کی بیوی، آپ کے بچے، آپ کے بچوں کے بچے ہنہ" امل نے منہ چڑھا کر کہا۔

"بس کر دے میری ماں، بس کر دے چھوڑ آؤں گا" ریان کی جیسے بس ہو گئی اس لیے بات ختم کرتے ہوئے بولا۔

"گڈ بوائے" امل اس کے بال سہلا کر بولی وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔

"اگر تم لوگوں کا ہو گیا ہے تو میں امی سے کچھ بات کر لوں اجازت ہے؟" چائے کا آخری گھونٹ لے کر نائل نے تسلی سے طنز کیا۔

"جی جی اجازت ہے!" وہ دونوں ایک ساتھ بولے، ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس دیے۔

"امی آج میں ساریہ کو یونیورسٹی سے پک کر کے لٹیج پر لے کر جاؤں گا، خالو سے اجازت لے لی تھی" اس نے رومال سے منہ پونچھتے کہا۔

"آہم آہم رہا نہیں جاتا تڑپ ہی ایسی ہے" ریان نے آنکھیں گھما کر کہا اور امل کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنس دیا۔

"بچوں!" سفینہ نے دونوں کو گھورا۔

"اچھا کیا بیٹا بھائی صاحب سے پوچھ لیا۔۔۔ اللہ تم دونوں کو خوش رکھے"

"آمین اچھا ٹھیک ہے میں نکلتا ہوں رات کو ملتے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

پہلے ماں کا ماتھا چوما، پھر بہن کا، اور ریان نے سر پہ چیت رسید کی۔۔

"امل کو آرام سے اس کی دوست گھر چھوڑ کر آفس جانا"

"فی امان اللہ"

آج یونیورسٹی کا نسبتاً پرسکون دن تھا۔

ہلکی دھوپ اور ٹھنڈی ہوا موسم کو خوشگوار بنا رہی تھی، کلاسز ختم ہو چکی تھیں اور پارکنگ میں معمول کی چہل پہل تھی۔

سفید شلوار قمیض پر سیاہ حجاب، سیاہ ہی جوتے پہنے اچھی لگ رہی تھی۔ یہ کالج کا مخصوص یونیفارم تھا سانولی رنگت مدھم دھوپ میں چمک رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے ساریہ میں چلتی ہوں تم تو اپنے انہو کے ساتھ جاؤ گی نا" عنایہ اس کے کندھے پر ہلکا سا کندھا مار کر بولی۔

"بد تمیز، ٹھیکہ ہے۔ بائے" اس کے گال گلابی ہو رہے تھے۔

عنایہ اس کے کالج کی دوست تھی دونوں کی ذہنی ہم آہنگی کے باعث جلد ہی بہترین دوستی ہو گئی اور آگے اکٹھے ہی یونیورسٹی جانے کا فیصلہ کیا تھا۔

عنایہ چلی گئی تو وہ تھوڑا آگے ہو کر کھڑی ہو گئی، نظریں بار بار اسمارٹ فون کی سکرین پہ جا رہی تھیں ذہن میں بابا کی باتیں گونج رہی تھیں۔

"اسلام علیکم"

وہ اپنی سوچوں میں مگن ہی تھی کہ بھاری مردانہ آواز پر چونکی، نظریں اٹھائیں تو سامنے نائل کھڑا تھا۔

وہ نیلی جینز اور ہم رنگ شرٹ میں ملبوس تھا، شرٹ کی آستین فولڈ کر کے کہنیوں تک چڑھائے، سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہ ہینڈ سم لگ رہا تھا۔

"وعلیکم السلام" ساریہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

"کیسی ہو تم؟"

"الحمد للہ ٹھیک، آپ کیسے ہیں؟"

میں بھی بالکل ٹھیک ٹھاک، آئی ایم سوری میں ٹریفک کی وجہ سے لیٹ ہو گیا زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا تمہیں؟" نائل نے شرمندگی سے پوچھا۔

"نہیں میں بس ابھی ہی فری ہوئی تھی" ساریہ نے فوراً اس کی شرمندگی زائل کرنا چاہی حالانکہ وہ کب سے اس کی منتظر پارکنگ میں کھڑی تھی۔

"یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔۔۔ چلیں؟" نائل نے پوچھا۔

ساریہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

مزید کچھ کہے بغیر وہ کیفے کے لیے نکل پڑے۔

کچھ ہی منٹوں میں وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔

کیفے چھوٹا مگر پر سکون تھا لکڑی کے فرنیچر اور ہلکے کریم رنگ کی دیواریں ماحول پہ اچھا اثر چھوڑ رہی تھیں۔ دھیمی دھیمی موسیقی کی آواز ماحول کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں۔

وہ دونوں کونے کی ایک نسبتاً پر سکون میز پر بیٹھے تھے جو لوگوں کی نظروں سے قدرے اوجھل تھی۔

"کیسا رہا تمہارا دن؟" نائل نے آرڈر کرنے کے بعد ساریہ سے پوچھا۔

"اچھا تھا۔۔۔ آج زیادہ کلاسز نہیں تھیں۔۔۔ آپ کا دن کیسا رہا؟" اس نے ہاتھ گود میں رکھے، نظریں جھکائے کہا۔

"میرا بھی اچھا تھا، اب تمہیں دیکھ کر زیادہ اچھا ہو گیا ہے"

وہ بے ساختہ سرخ ہوئی، دھڑکنیں لمحہ بھر کو تیز ہوئی۔

نائل نے نرمی سے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں اور کہا۔

"اتنا کیوں شرم رہی ہو تم؟ دیکھو میں وہی نائل ہوں۔۔۔ تمہارا کزن، ویسے ہی بات کرو

جیسے پہلے کرتی تھی، ٹھیک ہے نا؟"

وہ یہ بات گاڑی میں بھی محسوس کر چکا تھا کہ ساریہ گھبرائی اور بہت خاموش لگ رہی تھی۔

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا"

نائل نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ ویٹر کھانا لے آیا۔

وہ کوکا کولا میز پہ رکھنے ہی لگا تھا کہ نائل بول اٹھا۔

"یہ واپس لے جائیں اور اسرائیلی برینڈز کے سوا اگر کوئی ڈرنک ہے تو وہ لے آئیں"

"اوکے سر"

ویٹر سر ہلاتے واپس چلا گیا۔

"اپکو تو بہت پسند ہے کوک پھر اب کیوں منع کیا؟" ساریہ نے قدرے الجھ کر استفسار کیا۔

"فلسطین کے لیے میں زیادہ تو نہیں کر سکتا لیکن جو میرے بس میں ہے وہ کرنا چاہتا ہوں"

"کوئی بھی بائیکاٹ نہیں کرتا آپ کے کرنے سے کیا ہوگا؟ آپ بھی اپنی پسند انجوائے

کریں" ساریہ نے لاپرواہی سے کہا۔

"ساریہ فلسطین سارا تباہ کر دیا اسرائیل نے ہمارے کتنے ہی مسلمان بہن بھائیوں نے مسجد

اقصیٰ کے لیے جان دے دی، کتنے ہی بچے جل گئے، مر گئے، کتنی ہی بہنوں کی عزت لوٹی

گئی، کتنی ہی ماؤں کی گود اجڑ گئی۔ ان کا حال اور مستقبل تباہ ہو گیا ان کا ملک، گھر، سکول

، جاب سب ختم ہو گیا مگر وہ لڑ رہے ہیں۔

باہمت ہیں جہاں ہمارے لوگ یہ سب سہہ رہے ہیں کیا ہم ان کے لیے اپنی نفسانی خواہشات پر قابو نہیں پاسکتے؟ کیا یہ بہت زیادہ ہے؟ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا تھا مسلمان ایک جسم کی طرح ہے جو ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے تو پھر اب کیا ہو گیا ہے۔

کیا اب مسلمانوں کے دل میں وہ دل نہیں جو اپنے لوگوں کا درد محسوس کر سکے؟ کیا ہمارے دل اتنے سیاہ پر چکے ہیں؟ "وہ جیسے لوگوں کی ذہنیت سے، حالات سے تھک گیا تھا۔ ویٹر کے آنے پہ وہ خاموش ہوا، ویٹر ڈرنکس رکھ کر گیا تو نائل نے تسلسل دوبارہ جوڑا۔" پاکستانی کہتے ہیں، جب حکومت کچھ نہیں کر رہی تو ہمارے کچھ کرنے سے کیا ہو گا؟ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ ہمیں اپنا تو حق ادا کرنا ہے نہ، ہماری ایک ایک خریدی گئی اسرائیلی اشیاء سے وہاں بہنے والے خون کے ذمہ دار ہم ہیں! ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا اللہ کی سامنے، مسلمانوں کے سامنے، وہ پوچھیں گے، ہم نے غزہ کے حق میں آواز کیوں نا اٹھائی؟

مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے یہ سوچ کر کہ میں یہاں سکون سے کھاتا ہوں، سوتا ہوں، میرا خاندان سلامت ہے، میرا کاروبار سلامت ہے اور وہاں میرے بہن بھائیوں کے پاس کھانے کی بھی سہولیات نہیں، انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ کل کیا ہو گا وہ ہر پل یہ سوچ کر جیتے

ہیں کہ اگلے ہی لمحے ان کے ٹھکانے پر دھماکہ ہو سکتا ہے اور میں ان کے لیے اپنے خواہشات پر قابو بھی نہیں پاسکتا، کیا یہ شرم کا مقام نہیں؟"

ساریہ جیسے شرمندگی سے زمین میں گر جانے کو تھی۔ اسے اس نوعیت کے جواب کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

"لیکن نائل کوئی نتائج بھی تو ہوں آپ کے بائیکاٹ کے"

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"امام احمد بن حنبل جیل میں تھے جب بھی جمعہ کی اذان سنتے، وضو فرماتے اور جیل کے دروازے تک جاتے، جیل کا چوکیدار انہیں روکتا اور واپس بھیج دیتا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب آپ کو معلوم ہے کہ چوکیدار آپکو واپس بھیج دے گا، انہوں نے کہا۔

”میرے اختیار میں اتنا ہی ہے کہ میں دروازے تک چلا جاؤں اور جو میرے اختیار میں ہے میں اسی کا مکلف ہوں“

ہم بائیکاٹ کے مکلف ہیں،

بائیکاٹ کے نتائج کے نہیں!“ وہ خاموش رہی

"میری بات سمجھ آرہی ہے نا؟ میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا ہرگز نہیں ہے"

وہ مسکرائی۔

"اب سے میں بھی کروں گی" ساریہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" نائل نے ابرو اچکایا۔

"بائیگاٹ"

"بہت اچھی بات ہے"

وہ اطمینان سے مسکرایا۔

چلو اب کھانا کھاؤ ٹھنڈا ہو رہا ہے"

ساریہ نے مسکراتے ہوئے اسٹیک کھانا شروع کیا۔

جب دونوں نے کھانا کھا لیا تو نائل نے بات کا آغاز کیا۔

"میں تمہیں کچھ کہنا چاہتا ہوں"

ساریہ نے اس کے طرف دیکھا۔

"تم جانتی ہو نہ تم میری پہلی چاہت ہو، میری پہلی محبت۔۔۔ میں نے تمہیں بہت دعاؤں سے حاصل کیا ہے ساریہ، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، ساری دنیا بھی تمہارے خلاف ہو گی تو بھی یاد رکھنا ساریہ جریر سکندر۔۔۔ نائل احمد خان کو ہمیشہ اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی"

وہ جزبات سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اس نئے رشتے میں بھروسہ ہو، محبت ہو، عزت ہو، ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں اس کے لیے ہمیں دوست بننا چاہیے۔۔۔ تم بنو گی نامیری دوست؟"

نائل نے آہستگی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

ساریہ بے اختیار مسکرائی

"میں آپ کی دوست ضرور بنوں گی" ساریہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

نائل کے لبوں پہ اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ میری لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔۔۔" نائل نے گاڑی اس کے گھر کے سامنے روکتے ہوئے کہا۔ وہ شرمائی۔

"کیا مطلب۔۔۔ صرف آج اچھی لگ رہی تھی پہلے نہیں لگتی؟ وہ لہجے میں مصنوعی خفگی لا کر بولی۔

"نہیں نہیں بیگم آپ تو ہر دن، ہر وقت اچھی لگتی ہیں" نائل جانتا تھا وہ مزاح کر رہی ہے۔

"کتنے بڑے فلرٹ ہیں آپ۔۔۔ کتنی لڑکیوں کا تجربہ ہے آپ کا؟" ساریہ نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

"میں تو ہمیشہ سے تمہارا تھا، تمہارا ہوں، اور تمہارا رہوں گا" وہ ایک جذبے سے بولا۔

"اچھا بس بس میں جا رہی ہوں۔۔۔ خدا حافظ" وہ گاڑی سے اترتی ہوئی بولی۔

"خدا حافظ"

اس کے گیٹ سے اندر جاتے ہی وہ گاڑی آگے بھگا لے گیا۔

رات کو جب نائل واپس آیا تو گھر میں روز کا معمول چل رہا تھا۔

سفینہ لاؤنج میں بیٹھی اپنا ڈرامہ سکون سے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں مگر ان کی اولاد ان کا سکون مسلسل تھس نہس کرنے پر تلی تھی۔

"آج میں اوپر آسمان نیچے"

جیسے ہی ریان کی گوٹی امل کی گوٹی کا بے دردی سے قتل کر کے اپنے سیف زون میں داخل ہوئی وہ زور زور سے گانے لگا۔

ریاں اور امل لاؤنج کے ٹیبل پر ہی لڈو رکھ کر، خود نیچے کشن پر بیٹھ کر کھیلنے میں مصروف تھے۔

"بھائی یہ چیٹنگ ہے آپ کی گوٹی یہاں نہیں تھی" وہ حسب عادت چیختے ہوئے بولی۔

"کوئی چیٹنگ نہیں ہے نک چڑی" ریان اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

"اسلام علیکم" نائل اونچی آواز میں سلام کر کے سفینہ بیگم کے بغل میں بیٹھ گیا۔

"وعلیکم السلام، کیسا رہا میرے بچے کا دن؟" انہوں نے لاڈ سے اس کے بال سہلائے۔

"آج تک کبھی ہمیں تو اتنے لاڈ نہیں کیے نائل صاحب کی امی نے" ریان نے ان دونوں ماں بیٹا کو تیکھی نظروں سے دیکھتے امل کے کان میں سرگوشی کی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، نائل بھائی آپ کی میٹنگ کیسی رہی؟" اس نے ریان کو اسی کے انداز میں جواب دیتے ساتھ ہی نائل کو مخاطب کیا۔

"کونسی میٹنگ؟، میری تو کوئی میٹنگ نہیں تھی"

"وہی میٹنگ جس کا ذکر آپ نے ناشتہ پر کیا تھا" امل کے شرارتی لہجے میں بولنے پر وہ سوچ میں پڑا پھر ساریہ سے ملاقات یاد آنے پر امل کو گھورا۔

"سوری سوری مائی بیڈ" امل نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ جیسے کہہ رہی ہو اب نہیں کروں گی پھر وہ ہاتھ نچا نچا کر ڈرامائی انداز میں بولی

"میں معذرت خواہ ہوں مجھے آپ کی ذاتیات میں مغل نہیں ہونا چاہیے تھا"

"امی میرے لیے چائے بنا دیں۔ سر میں شدید درد ہے" اسے نظر انداز کر کے نائل اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے بیٹا"

"بیس سال کی اردو آج ہی بول لی چھپکلی نے" ریان نے بہن کی شان میں گستاخی کی۔ امل اس کے جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔

مگر نائل سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

Five

am5:30

فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد وہ ناشتہ بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی، سادہ سا انڈہ اور پراٹھا بنا کر کھایا، پھر چائے کا کپ ہاتھ میں لیے چھت پر آگئی مشرق سے نکلتا ہوا سورج اور ٹھنڈی، ہلکی ہوا اس کے وجود کو تازگی بخش رہی تھی، وہ جب سے اٹھی تھی، دل عجیب سے بے چینی کا شکار تھا

چند لمحے یونہی آنکھیں بند کر کے کھڑی رہی، وہ روز ناشتہ کر کے چھت پر آتی تھی اور اس دن کی پڑھی گئی سورت کی تفسیر کو سوچتی تھی، جو آج اس نے جو سیکھا وہ کس طرح اگلے کرے گی

چائے پیتے ہوئے وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی تب سے جو کسمندی چھائی ہوئی تھی اس سے بھی دھیان ہٹ گیا تھا

"ساریہ، نیچے آؤ!" امی کی آواز پر وہ چونکی، اور چائے کا آخری گھونٹ لبوں سے لگا کر وہ آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف چل پڑی۔

FOUR

am9:10

وہ کالج کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

اس کی عادت تھی پچھلی رات کو ہی صبح کی تیاری کر کے سوتی تھی تاکہ صبح دیر نہ ہو۔

کمرے میں بکھری چھوٹی چھوٹی چیزیں اٹھا کر ان کی جگہ پر رکھی، بستر کی چادر درست کر کے ایک نظر کمرے پہ ڈالی۔

ہر چیز سیٹ تھی

"ہممم پرفیکٹ" اس نے اپنا کندھا تھپک کر خود کو شاباشی دی

سیاہ چادر کندھوں پر اور ڈھ کر وہ کمرے سے نکلی ساتھ ہی ساتھ موبائل پر عنایہ کو ٹیکسٹ کر رہی تھی۔

"میں نکل رہی ہوں تم بھی آ جاؤ" سینڈ کر کے اس نے موبائل بیگ میں رکھا۔

"مما میں چلتی ہوں رکشا آ گیا ہے" بیگ کندھے پر لٹکاتے وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ کچن کے سامنے لاؤنج کراس کر کے اس کا کمرہ تھا اس کے دائیں طرف ماما بابا کا کمرہ تھا۔

"سنو بیٹا آج تمہیں خود لینے آؤں گا رکشے والے کو منع کر دیا ہے میں نے ، ٹھیک ہے؟"

جریر سکندر نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"جی بابا" وہ سر ہلا کر کہتی ہوئی نکل گئی۔

THREE

am 10:15

اسے اپنے گھر سے کالج پہنچنے میں ایک گھنٹا لگتا تھا اس کے پہنچنے کے دو منٹ بعد ہی عنایہ آگئی۔

"شکر ہے زندگی میں پہلی بار تم ٹائم پر آگئی ہو" عنایہ کی تاخیر سے آنے والی عادت سے وہ تنگ تھی۔

"چلو اب شکریہ کہہ کر مجھے شرمندہ مت کرو بس گھر جا کر شکرانے کے نفل ادا کرنا" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کلاس کی طرف لے گئی۔

، راستے میں معمول کی گہما گہمی تھی۔

آج ان کی تین کلاسز تھیں ، پہلی کلاس 10:30 پر legal theories کی تھی۔

"یہ کلاس لے کر ہم کیفیٹیرا چلیں گے میں نے ناشتہ کرنا ہے" عنایہ مسکین سامنے بنا کر بولی۔

"کر کے کیوں نہیں آئی؟" اس نے ابرو اُچکا کر تفتیشانہ انداز میں پوچھا۔

"تمہارے لیے جلدی آنے کے چکر میں مجھے کسی چیز کا ہوش ہی کہاں رہتا ہے جانم"

"سو چیپ" ساریہ نے منہ بنایا، وہ دونوں کلاس کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

"ہاں ہاں اب تو ہماری باتیں چیپ لگے گی، رومینٹک تو نائل جی لگتے ہوں گے"

"چیپ کرو بے شرم" وہ بے ساختہ سرخ ہو گئی۔

Two

am11:20

"یہ سر علیم نے تو میری وہ انرجی بھی لے لی جو میرے پاس تھی ہی نہیں" کرسی پہ بیٹھتے ہی اپنا سر ٹیبل پر رکھ کر عنایہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولی۔ ساریہ بھی اس کے سامنے رکھی نشست پر بیٹھ چکی تھی۔

ساریہ مسکرائی وہ جانتی تھی کہ اس کی دوست پڑھائی سے جلدی تھک جاتی ہے اور آج تو اسے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔

"کچھ کھا لو پھر ایڈمنسٹریشن لاء کی کلاس کا ٹائم ہو جائے گا"

"یا اللہ مینو چک لے، یہ لوگ مجھے جینے کیوں نہیں دیتے" وہ سر آسمان کی طرف اٹھا کر بولی۔

"کتنی تم ڈرامے باز ہو"

ONE

PM2:00

تمام کلاسز سے فارغ ہو کر وہ دونوں اب پارکنگ میں کھڑی تھیں۔
"یہ کتابیں تو سارا دماغ چاٹ لیتی ہیں، سر افتخار نے تو پتہ نہیں کون سے بدلے نکالے ہیں
شاید بیوی سے لڑ کر آئے تھے" عنایہ نے برا سا منہ بنایا۔ اس کو ویسے ہی سر افتخار پسند
نہیں تھے آج تو انہوں نے سرپرائز ٹیسٹ لے لیا تھا۔

"قسم سے، سہی کہہ رہی ہو"

"میری گاڑی آگئی، آجاؤ میں تمہیں چھوڑ دیتی ہوں تمہارا رکشا نہیں آیا ابھی تک"

"نہیں بابا آئیں گے مجھے لینے" ساریہ نے سہولت سے انکار کر دیا۔

"چلو ٹھیک ہے اللہ حافظ " اس سے مل کر عنایہ چلی گئی۔

☆☆

Zero

pm2:15

"بیٹا میری موٹر سائیکل خراب ہو گئی ہے تم رکشہ لے کے آ جاؤ، آ جاؤ گی نا " وہ انتظار کر ہی رہی تھی کہ بابا کا فون آ گیا۔

"جی بابا میں آ جاتی ہوں"

"ٹھیک ہے میرا بیٹا خیریت سے آنا" ساریہ کے ہامی بھرنے پر انہوں نے فون رکھ دیا۔ اس نے چادر درست کی اور بیچ سے بیگ اٹھا کر کالج سے باہر نکل گئی۔

وہ گیٹ سے باہر نکلی تو دھوپ چہرے پر پڑنے لگی سڑک سنسان تھی۔ کچھ نوجوان درخت کی چھاؤں میں بیٹھے تھے دور سے رکشہ، گاڑیوں کی آواز آ رہی تھی۔

ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلے طے کیا تھا کہ موبائل بج اُٹھا۔ اس نے چلتے چلتے ہی بیگ سے موبائل نکال کر دیکھا۔ نائل کا مسیج تھا اس نے وقت دیکھا دو بج کر پچیس منٹ ہو گئے تھے۔

"اسلام علیکم ساریہ! کہاں ہو؟"

"وعلیکم السلام، میں راستے میں ہوں گھر جا رہی ہوں" اس نے وقت دیکھا دو بج کر پچیس منٹ ہو گئے تھے۔

"رکشے میں ہو؟"

"نہیں بابا نے آنا تھا مگر ان کی بائیک خراب ہو گئی اب اکیلی جا رہی ہوں رکشہ نظر نہیں آ رہا کوئی" ساریہ نے تفصیلاً آگاہ کیا۔

"اچھا تم ادھر ہی ٹھہرو میں لینے آتا ہوں گھر چھوڑ دوں گا یا ایسا کرو واپس کالج چلی جاؤ میں پہنچتا ہوں۔"

"جی ٹھیک ہے" وہ واپس کالج کی طرف چل پڑی۔

ابھی وہ کالج کے قریب ہی پہنچی تھی کہ ایک تیز رفتار گاڑی اس کے قریب آ کر رکی، وہ بے ساختہ وہیں ٹھہر گئی، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس سے پہلے وہ کوئی رد عمل ظاہر کرتی جھٹ سے گاڑی کا دروازہ کھلا اندر سے چار مردانہ ہاتھ باہر نکلے وہ پیچھے ہونے ہی لگی تھی کہ اُن ہاتھوں نے اسے اندر کھینچ لیا۔

"چھوڑو مجھے" وہ چیخی مگر ایک ہاتھ نے اس کا منہ دبا دیا، دو ہاتھوں نے اس کی مزاحمتوں کو بے اثر کر دیا گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی۔

ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ اکا دکا لڑکوں کے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا۔

"اوئے کسی نے لڑکی کو اٹھا لیا" نو عمر لڑکا چیخنے لگا۔

بیگ سڑک پہ پڑا رہ گیا اس میں موجود ساریہ کا موبائل مسلسل بجے جا رہا تھا سب کچھ جیسے تھم سا گیا تھا۔ دفعتاً فون کی سکرین پر ایک پیغام جگمگانے لگا۔

"کالج خیریت سے پہنچ گئی نا، میں بھی بس پہنچ گیا ہوں۔"

جس دیس سے ماؤں بہنوں کو اغیار اٹھا کر لے جائیں

جس دیس سے قاتل غنڈوں کو اشراف چھڑا کر لے جائیں

اس دیس کے ہر ایک لیڈر پر سوال اٹھانا واجب ہے

اس دیس کے ہر اک حاکم کو سولی پہ چڑھانا واجب ہے

فیض

☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے